ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

بشیر صرفی کی شاعری میں مزاحمت کی صورتیں

THE FORMS OF RESISTANCE IN BASHIR SARFI'S POETRY

انجم مبین
استاد شعبہ اردو، نمل اسلام آباد

Abstract

Bashir Sarfi is a poet of seventies. He is known for fournalism and poetry. Since he is ethnically a Kashmiree therefore his association with Kashmir is a significant element of his poetry. Bashir Sarfi is a multidimensional poet and has composed poems. Hymns and odes praising prophet Mohammad (PBUH) and Hazrat Ali Besides other themes the theme of resistance is quite visible in his poetry and it contains all symbols of resistance. Personal sorrows. Creation of Pakistan and disappointments which followed, migration and roits, lack of political direction, sense of insecurity, wars between Pakistan and India, the fall of Dakha, imposition of martial law, deterionation of moral values all over the world because of Scientific advancement, degradation of man, greed, lust, selfishness, Indian soldies committal of otrocities on Kashmiries are all elements which contributed to the theme of resistance in Bashir Sarfi's poetry. Bahir Sarfi considered it his duty to comment on every event taking place in Pakistan and he did it well.

Keywords: The tragedy of Dhaka, Resistance, Symbol, Aggressive occupotaion, Kashmir Collector, situation of a country, dictatorship, Pain, moral values, Political discrientation. In Security, Martyr, slavery, darkness, Senate(سناٹا) blood

ملخص:

بشیر صرفی ستر اور اسی کی دہائی کے شاعر ہیں۔ صحافت اور شاعری ان کی پہچان کے دو خاص حوالے ہیں۔ کشمیری نژاد ہیں۔ اس لیے کشمیر سے وابستگی ان کی شاعری کا اہم عنصر ہے۔ بشیر صرفی ایک ہمہ جہت شاعر ہیں۔ انھوں نے مختلف اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی جن میں حمد، نعت، منقبت، نظم اور غزل شامل ہیں۔ دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ مزاحمت ان کی شاعری کا ایک بڑا موضوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں علامات ملتی ہیں جو مزاحمتی شاعری کی خاص پہچان ہیں۔ یعنی وہ مخصوص لفظیات جو دیگر شعرا کے ہاں بھی ملتی ہیں۔ بشیر صرفی کے ہاں مزاحمتی عناصر میں ذاتی درد و کرب کے ساتھ قیام پاکستان کے بعد خوابوں کی شکستگی، ہجرت و فسادات کا دکھ، سیاسی بے سمتی، عدم تحفظ کا احساس، پاک بھارت جنگیں، سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ، مارشل لا کا تناظر، بین الاقوامی سطح پر سائنسی ترقی کی بنا پر اخلاقی اقدار کی پامالی، انسان کی بے توقیری، لالچ، ہوس، خود غرضی، کشمیر پر بھارتی درندوں کے مظالم یہ سب عناصر بشیر صرفی کی شاعری میں مزاحمت کو جنم دینے کا باعث بنے۔ ملکی تاریخ میں رونما ہونے والے ہر واقعے پر اظہارِ خیال کرنا بشیر صرفی نے اپنا فرض سمجھا اور اس فرض کی ادائیگی کا حق احسن طریقے سے ادا بھی کیا۔

کلیدی الفاظ

مزاحمتی ادب، مزاحمتی رویے، مزاحمتی عناصر، مزاحمت، علامت، سقوطِ ڈھاکہ، کشمیر، غاصبانہ قبضہ، ملکی مجموعی صورتِ حال، مارشل لاء، درد و کرب، اخلاقی اقدار، سیاسی بے سمتی، عدم تحفظ، شہید، غلامی، سناٹا، لہو، خوف

مزاحمت دراصل کسی طاقت ور فرد یا قوت کی طرف سے رائج کردہ نظام، فکر یا نظریے سے متعلق مغلوب یا محکوم افراد، معاشرے یا تنظیم کی طرف سے انکار کو کہتے ہیں۔ جب کسی قوم، ملک یا معاشرے کے خلاف ناانصافی یا جبر و استحصال روا رکھا جاتا ہے تو مزاحمتی رویہ جنم لیتا ہے کیوں کہ وہ ناانصافی یا جبر و استحصال اس قوم یا معاشرے کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ جب ہم ان مزاحمتی رویوں کو ادب کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ تو ادب میں بنیادی طور پر ہمیں دو رویے ملتے ہیں مزاحمتی اور مفاہمتی ادب ہمیں فکری رویوں جمالیاتی قدروں اور مختلف نظریات سے مفاہمت کرنا سکھاتا ہے جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں یعنی مفاہمتی ادب ان تمام رویوں اور اقدار کو معاشرے کے لیے قابل قبول بناتا ہے۔

مزاحمتی ادب کی تشریحات نعیم بیگ یوں کرتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

"مزاحمتی ادب کی بہت سی اقسام ہو سکتی ہیں۔ جیسے کسی ادیب کا اپنے آدرشوں، خوابوں یا آئیڈیل کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ محسوس کرنا ضروری نہیں کسی کہانی کی مثالیت معاشرے کی بھی مثالت ہو۔ بعض اوقات تخلیق کار کسی آئیڈیل کو پیش کرتا ہے۔ مگر معاشرہ اس کے آئیڈیل کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ یوں اس تخلیق کار کی تحریروں میں مزاحمتی رویے جنم لیتے ہیں۔ مزاحمت طے شدہ رویوں رسم ورواج اور رائج اقدار کے خلاف بھی ہوتی ہے۔ تخلیق کار معاشرے کی از سرِ نو تشکیل کرتا ہے۔ فرسودہ روایات یا بانجھ فکری تحریکوں کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔ ادب کا ایک اور رویہ سیاسی تاریخی اور اقداری رویوں سے انکار کرنا بھی ہے۔ عموماً کسی بیانیے جو کسی حد تک سٹریوٹائپ تصورات بن چکے ہوں تخلیق کار انھیں قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ ایک شاعر یا ادیب جو بیانیہ تشکیل دیتا ہے۔ اسے ریاست یا نظام کا متبادل بیانیہ بھی کیا جا سکتا ہے۔"(۱)

شعر و ادب میں یہ مزاحمتی رویے دنیا کی ہر زبان اور ہر دور میں ملتے ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد نو آبادیاتی نظام کے خاتمے پر اتحادیوں کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ کی ہولناکیوں سیاسی و معاشی مشکلات نو آبادیاتی نظام کا خاتمہ، سارا نظام درہم برہم ہوا۔ اس سے قبل استعماریت کو سیاسی، سماجی، معاشی اور ثقافتی سطح پر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ چالیس کی دہائی کے آخری سالوں میں افریقہ ایشیاء، لاطینی امریکہ میں نو آبادیات کے تناظر میں استعمار کو شدید سیاسی و ادبی لحاظ سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

تقسیم ہند کے نتیجے میں نئے ملک کو سیاسی، معاشرتی و معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑا دوسری طرف مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کے قیام کی پیش رفت سے فلسطین کے لیے سیاسی و نفسیاتی اور جغرافیائی سطح پر محرومی کا باعث بنی اور اس پر طرہ یہ بیت المقدس کی غیر اعلانیہ تقسیم اور اسرائیل کی ہٹ دھرمی مزاحمت کا باعث بنی۔

اس صورتِ حال کی عکاسی ایک فلسطینی ادیب غسانی کنعانی نے مزاحمتی ادب کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا جس میں یورپی استعمار کی پوری تاریخ بیان کی جس میں مغربی ادب کا کردار وسیع تر نو آبادیاتی رجحانات اور تفاوت کو زیرِ بحث لایا گیا۔ غسان نے علامتی پیرائے کے بجائے براہِ راست مزاحمت تشکیل دی جس کے باعث فلسطینی ثقافت و ادبی سرگرمیاں، جبری و ثقافتی حصار منظرِ عام پر آنا شروع ہوئے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مزاحمتی ادب نے جنم لیا۔ یوں انقلاب روس اور فرانس کے ادبی حلقوں میں بھی مزاحمتی رویوں نے جنم لینا شروع کیا۔ ادیبوں نے عالمی سطح پر طلسماتی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں قدم رکھا۔ بعد ازاں یہی مزاحمتی ادب جدیدیت کا ایک وسیع تر تناظر لے کر منظرِ عام پر آیا۔ ادب جمالیاتی اقدار کی عکس بندی کے ساتھ معاشرتی برائیوں کو بھی منعکس کرتا ہے۔ جس کے اثرات ہر شعبۂ زندگی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

ادب انسانی جذبات و احساسات کا عکاس ہے اور آزادی کا داعی ہے۔ مزاحمتی ادب کا منظر نامہ اسی مخصوص سیاق و تناظر کو پیش کرتا ہے۔ اس لیے ادب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بنیادی طور پر مزاحمتی ہوتا ہے۔

ڈاکٹر رشید امجد مزاحمتی ادب کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔

"عمومی معنوں میں ادب ہوتا ہی مزاحمتی ہے کہ ادبی موجودہ صورتِ حال اور اس کے جبر اور استحصال کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔"(۲)

تاریخ میں عملی اور فکری ہر سطح پر مزاحمت کی کارفرمائی ملتی ہے۔

ڈاکٹر ابرار احمد مزاحمتی ادب کو جس تناظر میں دیکھتے ہیں وہ کچھ یوں ہے۔

"ادب تخلیق کرنا بذاتِ خود مزاحمتی عمل ہے۔ ایک طرح سے سارا ادب مزاحمتی ہے اور ادیب خود باغی۔"(۳)

اردو ادب کی روایات کے تناظر میں مزاحمتی رویوں کی ابتداء شمالی ہند سے ملتی ہے۔

جعفر زٹلی وہ پہلا شاعر ہے جس نے ۱۷۰۷ء میں اورنگزیب کے نااہل جانشینوں کی سفاکانہ پالیسیوں کے خلاف مزاحمتی شاعری کا آغاز کیا۔ اس مزاحمت کے نتیجے میں جعفر زٹلی کو فرخ سیر کے حکم پر پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔

ابہام گو شعراء کے دور میں اخلاقی، سیاسی اور فکری انتشار کی عکاسی ادب میں میر کے ہاں سیاسی، اخلاقی و تہذیبی آشوب کی صورتِ حال میں بین السطور نظر آتی ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

چمن خراب کیا ہو، خزاں کا خانہ خراب
نہ گل رہا ہے نہ بلبل ہے باغباں تنہا
کس کہنے سے جاویں ترے ظلم کی فریاد ہم
تجھ ہی سے تری ستم کی چاہتے ہیں داد ہم

اسی عہد میں تقریباً سبھی غزل گو شعرا نے اس عہد کی بد حالی پر شہر آشوب لکھے آگے چل کر غالب کے ہاں یہی مزاحمتی رویہ ماضی کو رد کرتے ہوئے نئے شعور کی صورت میں سامنے آیا۔ انھوں نے رائج قدروں کے برعکس قدرے باغیانہ رویہ اختیار کیا۔

سر سیّد تحریک کے دوران بیسویں صدی میں یہ مزاحمتی رویہ حقیقت پسندی کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اشتراکی انقلاب کو دم توڑنے پر مجبور کر دیا اور جب ریاست کے خلاف سازش کا نام دے کر ادیبوں کی مزاحمتی تحریروں کی پاداش میں انھیں پابند سلاسل کیا گیا تو باقاعدہ طور پر پاکستان میں مزاحمتی فضا نے جنم لیا۔ جوش، جیب جالب، عبد الباسط اور فیض نے جو ادب پارے تخلیق کیے۔ ان کو بلاشبہ مزاحمتی ادب کا ابتدائی باب کہا سکتا ہے۔

ڈاکٹر ابرار احمد نے بیان کیا۔

ادیب کا قلم اس کا ہتھیار ہے۔"(۴)

حبیب جالب مارشل لاء دور کی پابندیوں کے تناظر میں کہتے ہیں۔

ایسے دستور کو صبح بے نور کو
میں نہیں جانتا میں نہیں مانتا

تو دوسری طرف فیض اپنے دھیمے لہجے میں اپنے پڑھنے والوں کو یوں اکساتے ہیں۔

بول کے تھوڑا وقت بہت ہے
بول کے سچ زندہ ہے اب تک
بول جو کچھ کہنا ہے کہہ دے

مارشل لاء کا دور اظہار پر پابندیوں کا دور تھا جس کے نتیجے میں ادب میں علامت و تجریدیت کا سہارا لیا گیا۔ مزاحمتی غیر ملکی ادب کے تراجم کیے گئے۔ غیر ملکی مزاحمتی ادب اپنے ماحول کے تناظر میں تھا۔ جب کہ ہمارے ہاں مزاحمت کے لیے اپنے زمینی حقائق اور حالات و واقعات تھے۔

پھر سائنسی ترقی نے انسانیت کے وقار کو سخت دھچکا دیا۔ تہذیبی و اخلاقی اقدار مسخ ہو کر رہ گئیں۔ خود غرضی، منافقت، سیاسی و معاشی انتشار، سبقت لے جانے کی کوشش، سقوطِ ڈھاکہ، ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ، مارشل لاء، کشمیر پر بھارتی قبضہ ان تمام حالات و واقعات نے اردو شعر و ادب میں انقلاب کی ایک نئی فضا جنم دیا جس میں جدیدیت کے تحت لکھنے والے سامنے آئے۔ جن میں ایک نام بشیر صرفی کا بھی ہے۔

بشیر صرفی کا شمار ساٹھ اور ستر کی دہائی کے شعراء میں ہوتا ہے۔ بشیر صرف صحافت اور شاعری دو حوالوں سے پہنچانے جاتے ہیں۔

بشیر صرف ایک ہمہ جہت شاعر تھے۔ مختلف شعری اصناف میں انھوں نے طبع آزمائی کی جس میں، حمد، نعت، منقبت بھی شامل ہے اس کے ساتھ غزل اور نظم بھی ان کا معتبر حوالہ ہے چونکہ کشمیری نژاد تھے اور ان کے خاندان کا جدوجہد آزادی کشمیر میں اہم کردار رہا ہے۔ اس لیے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کشمیر کا موضوع ان کے دائرہ کار سے باہر ہو۔ ان کی شاعری کا اہم حصہ جدوجہد آزادی کشمیر کے حوالے سے بھی ہے۔ صحافتی سطح پر بھی انھوں نے کشمیر کے مسئلے کو نمایاں کیا۔ بشیر صرفی سن ساٹھ کی دہائی میں ممتاز شاعر اور صحافی کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔ اپنے عہد کی ادبی تحریکوں میں انھوں نے فعال کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے راولپنڈی کی ادبی تاریخ میں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

ان کی خدمات سے صرف نظر ممکن نہیں۔ حلقہ ارباب ذوق کے جلسوں میں بھی باقاعدگی سے شرکت کرتے رہے۔ ان کی تربیت غلام رسول طارق کے ہاتھوں ہوئی۔ ڈاکٹر رشید امجد نے اپنی آپ بیتی "تمنا بے تاب" میں انجمن کے جن ادیبوں کے نام گنوائے ہیں۔ ان میں بشیر صرفی بھی شامل ہیں۔

"انجمن کے اجلاسوں میں میرے سرور کامران، بشیر صرفی نثار ناسک، سلیم ظفر، منشایاد، کے ساتھ ذرا سنئیر نسل کے ادبا میں احمد شمیم، آفتاب اقبال بھی باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ بشیر صرفی لکھنے والوں کی انجمن کے سیکرٹری بھی رہے۔"(۵)

کچھ وجوہات کی بنا پر ۲۰۱۰ء تک بشیر صرفی کا کلام ذاتی ڈائریوں تک محدود رہا۔ اس میں سے ایک وجہ ۱۹۹۱ء میں ان کی قبل از وقت موت بھی ہو سکتی ہے۔ ۲۰۱۰ء میں ڈاکٹر شفیق انجم ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو نمل نے بڑی تگ و دو کے بعد ان کے کلام کو ترتیب دے کر "کلام بشیر صرفی" کے عنوان سے کتابی شکل دی۔

بشیر صرفی کا عہد ہر لحاظ سے ابتری و بے سمتی کا عہد تھا۔ ایک طرف فسادات کے المیے کی یادیں، ہجرت کا دکھ، نئی مملکت میں خوابوں کے ٹوٹنے کا المیہ، سیاسی ابتری، قومی سطح پر بے سمتی، مارشل لاء کا نفاذ، ۱۹۶۵ء کی جنگ، ۱۹۷۱ء کی جنگ کے نتیجے میں سقوطِ ڈھاکہ، احساس زوال، ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء یہ وہ حالات تھے کہ جب مزاحمتی رویوں میں اردو شعر و ادب میں جنم لیا۔ پھر مغرب کی جدیدیت کے زیرِ اثر فنی و فکری سطح پر تجربات نے شعر و ادب کو متاثر کیا۔

بشیر صرفی نے بھی اپنے عہد کے تمام رویوں اور نظریات سے اثر قبول کیا۔ سقوطِ ڈھاکہ کے تناظر میں شناخت کا بحران، عدم تحفظ اور منافقت جیسے رویے سامنے آئے۔ اپنے ہم عصروں کی طرح بشیر صرفی نے بھی ان رویوں کے خلاف مزاحمتی انداز اختیار کیا۔ بشیر صرفی کے ہاں محض سقوطِ ڈھاکہ، مارشل لا یا کشمیر کا تناظر نہیں ہے بلکہ ان کی شاعری میں معاشرے کی سیاسی، معاشرتی، اخلاقی اور معاشی بداعمالیوں اور بے ضابطگیوں پر مزاحمتی انداز ملتا ہے۔

کشمیر سے ذاتی وابستگی کی بنا پر کشمیر میں جارحیت ان کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔ کشمیر کے حوالے سے ان کے ہاں مزاحمت شدت سے ملتی ہے لیکن اس کے ساتھ "صبح نو" کی آور اہمیت رکھتی ہے۔ اپنے وطن سے وارفتگی کا اظہار بھی نمایاں ہے۔

سقوطِ ڈھاکہ اور مارشل لا کا تناظر:

بشیر صرفی کا عہد سیاسی لحاظ سے انتشار کا عہد تھا۔ سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ زوال کے احساس کو نمایاں کرتا ہے۔ ادب میں یہ احساس بے اطمینان خوابوں کی شکستگی، بے چیرگی جیسے عناصر کو جنم دیتی ہے۔ بشیر صرفی کے ہاں یہی صورتِ حال نمایاں ہوئی۔

بشیر صرفی ادبی دنیا میں نئے رویوں کے علمبردار تھے۔ ان کے مجموعے میں ۳۳ کے قریب نظمیں ان کی فکری مہات کی عکاس ہیں۔ تقریباً گیارہ نظمیں کشمیر کے موضوع پر ہیں جب کہ باقی نظمیں دیگر موضوعات جن میں مارشل لا ، سقوطِ ڈھاکہ اور مجموعی طور پر ملکی صورتِ حال اور اپنے عہد کے مسائل کی ترجمانی علامتی پیرائے میں کرنے کی کوشش کی۔ یہ وہ دور تھا جب کہ ملکی منظر نامہ اندھیرے کی لپیٹ میں تھا۔ ہر فرد کرب کی کیفیت میں تھا۔ مارشل لا نے اس کرب کی شدت میں مزید اضافہ کیا۔ شعرا اور ادبا میں کرب کے اظہار کے لیے علامتی پیرایہ خاص انداز بن گیا۔ بشیر صرفی کے کلام میں علامت کا انداز ملتا ہے۔

وہ زور تھا ہوا کا شجر چیختے رہے
ہم ہی نہیں تھے شہر میں اس شام بے قرار
امڈ کے برسے تو ہیں شہر سنگ پر بادل
زمیں کی خوشبو کو لیکن ترس گئی بارش

بشیر صرفی کے کلام میں ملی صورتِ حال کی عکاسی کے لیے مختلف الفاظ چاند، دھوپ، بادل، بارش آندھی، شجر، پرندے، برف اور سنگ جیسی علامات کا استعمال ملتا ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے نتیجے میں بے بسی اور عدم تحفظ ہمیں بشیر صرفی کے کلام میں شدت سے محسوس ہوتا ہے۔ یہ احساس پاکستان کے ہر شہری کے ہاں نظر آتی ہے۔ بشیر صرف کے ہاں شکستگی اور خوف کا احساس نمایاں ہے۔

یہ سانحہ ہماری تاریخ کا تاریک باب تھا۔ قومی نظریے کی بنیاد پر حاصل کیے گئے وطن کے لیے یہ سانحہ ایک سوالیہ نشان بن گیا۔ یہ محض جغرافیائی تقسیم نہیں بلکہ پاکستان کا بازو کٹ گیا۔ نفسیاتی سطح پر بھی اس سانحے نے کئی سوالات کو جنم دیا۔ بشیر صرفی نے اس احساس رائیگانی کو یوں بیان کیا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

ہر دل کے آئینے پہ ثقاوت کی دھول ہے
اب اپنا عکس ڈھونڈنے جانا فضول ہے
تمام عمر رہی اپنی ہی تلاش ہمیں
بس اک لحظہ رکے پھر رواں سے ہو گئے

بشیر صرفی کے سقوطِ ڈھاکہ کی صورتِ حال میں قنوطیت کا غلبہ نظر آتا ہے۔

کیسے پڑاؤ پڑ گئے اب کے سفر سے قبل
یادوں کا اک حصار بھی ہے بام و در سے قبل
شامِ الم کی باس ہوا سے لپٹ گئی
وجداں لہو لہو ہوا اس بد خبر سے قبل
کٹ گیا تو سوچ کر یہ ہول آتا ہے مجھے
بے ثمر ہی تھا شجر سر پہ مگر سایا بھی تھا

مارشل لا کے نتیجے میں اسی کی دہائی میں ظلم و جبر کے خلاف ادب میں مزاحمتی انداز زور پکڑتا ہے۔ بشیر صرفی اپنے کلام میں نظام کے خلاف آواز بلند کرتے نظر آتے ہیں۔

سروں کی فصل سے کیا شہسوار مانگتا ہے
لہو کو چاٹ کے اب اقتدار مانگتا ہے

بشیر صرفی کی ابتدائی نظمیں ان کو اگر کسی ایسے سانحے یا حادثے سے وابستہ کر کے پڑھا جائے تو یہ قومی سطح کے نوحوں میں شمار ہوتی ہیں۔ بشیر صرفی ایک انتہائی ہوش مند شاعر کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ نظم "گینگ ریپ" کو مجموعی طور پر المیہ قرار دیتے ہیں۔ امید و بیم کی جو کشمکش انسانی نصیب میں لکھی ہوتی ہے آدم کی تخلیق اور آگ کی تپش اسے خیر و شر کی آویزش میں مبتلا رکھتی ہے۔ بشیر صرفی انسان کے سفر کو اندھیرے کا سفر قرار دیتے ہیں اور اس لامتناہی سفر پر انسانی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

ہمارے ہاتھ تو اپنے ہی خون سے بھرے ہیں
تو دستِ خونین سے صفحۂ وقت پر اک نگاہ نو ہے

ملکی و سیاسی بے سمتی قومی بین الاقوامی سطح پر کشمکش ساٹھ کی دہائی میں بشیر صرفی کے ہاں بھی نمایاں ہے۔ ان کے ہاں قیامِ پاکستان کے بعد بھی سفر ختم نہیں ہوا۔

ایک ایسی تشکیک کا عمل ہے
کہ جس سے اقدار کا سراپا خجل خجل ہے۔
سفر ہے درپیش جس سے کوئی مفر نہیں ہے
شب سیاہ کی سحر نہیں ہے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

مشینی دور نے انسان کو ترقی کے ساتھ سیاسی، سماجی، مذہبی اور تہذیبی سطح پر جبر کو بھی جنم دیا۔ بشیر صرفی کی نظم "نارسیدہ" میں حوصلوں کی پستی، شجر کا بے ثمر ہونا، بے بسی، خزاں کا بے ثمر ہونا، شب و روز کی قید یہ سب چیزیں ان حالات کا اشارہ دے رہی ہیں جو ہر حساس انسان محسوس کر رہا تھا۔

دھوں دھواں اس کے حوصلے ہیں
نظر نظر شب گزیدگی کا سماں لیے ہوئے
وہ بے ثمر سے شجر کی شرمندگی بنا ہے
شجر کی جو اپنی ناکسی پر گرے ہوئے پتوں کے آنسوؤں کی
دبیز چادر کی اوٹ میں اس برہنگی کو چھپا رہا ہے

کہ جس پر نادیدہ زندہ لاشیں
رکی ہوئی ساعتوں کی ماند چپک گئی ہیں
وہ شب و روز کی جکڑ میں عذاب بن کر پڑا ہوا ہے

بشیر صرفی کے کلام میں سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ ہو، کشمیر کے حوالے سے جذبات ہوں یا ملکی صورتِ حال ہو وہ مٹی کی خاطر مر مٹنے والوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں عصری شعور ملتا ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری میں اپنے عہد کے پس منظر میں پیدا ہونے والے مسائل کا عکس نظر آتا ہے۔ مارشل لا کا اظہار پر پابندیوں کے باعث دبے لفظوں میں مزاحمت ملتی ہے۔ غیر یقینی حالات کے سائے میں زندگی گزارنے کے باعث سماجی رویوں کی عکس گری ملتی ہے۔

شہر میں چار طرف موجہ خوں ہے صرفی
اور کچھ بھی نہیں حد اُفق سے پہلے

نظم "دردِ مشترک" میں حالات کی سنگینی اور جبر کا تسلسل ہے۔ جبر کے ساتھ ہجر، جذبوں اور خوابوں کا ٹوٹنا اور بکھرنا تکلیف دہ امر ہے۔ پرندے کا تڑپنا اور پنجرے کی دیواروں سے ٹکرانا ایک دردناک عمل ہے مگر اس کے ساتھ جرات و ہمت کا حوصلہ بھی ان کے کلام میں امید کا دامن زندگی کرنے کا جواز ہے۔ سفر کی امیجری بھی بشیر صرفی کے کلام کا حصہ ہے سفر استعارہ ہے زندگی کی مشکلات کا سفر میں تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ "صدیوں کا سفر" کا موضوع بھی جبر ہے۔

زندہ رہنے کی کہ مرنے کی سبھی رسمیں ہوئیں
آرسی صحف میں کس کا چہرہ کس کا عکس تھا
اور روحوں کو کڑے بن باس سے کب تھا مفر
جبر کے لمحے نے کیوں لکھے ہمارے نام

(صدیوں کا سفر، ص ۲۲۱)

ان کی نظم "احساسِ شکست اور ملال" میں محض انسان یا قوم کا نوحہ نہیں بلکہ ایک تہذیبی زوال کی داستان ہے۔

ہم اپنے بے نور عہد کا بد مزہ ثمر ہیں
فضا میں بھٹکی ہوئی صدا ہیں

(ص، ۲۲۹)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

اور کارواں کو غلامی اور ذلت کا احساس تک نہیں

کتنا جان کاہ تھا تپتے ہوئے صحرا کا سفر
اس سے بڑھ کر تھی عذاب اپنی گراں باری غم
سر صلیب یہ کیسی صدائیں آتی ہیں
یہ کس کا خون ہے جو اپنا شمار مانگتا ہے

بشیر صرفی کشمیر نژاد ہیں۔ اس لیے کشمیر سے ذہنی و جذباتی وابستگی اور اپنی دھرتی سے محبت و عقیدت کا اظہار اپنے بھرپور انداز میں ان کی شاعری میں جلوہ گر ہے۔ بشیر صرفی نے کشمیر کاز کو قلمی اور عملی دونوں محاذوں پر لڑا۔ کشمیر کا ذکر ان کے کرب میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

ڈاکٹر صلاح الدین بیان کرتے ہیں۔

"کشمیر بشیر صرفی کا گویا خون ہے جو ان کے زخموں سے رس رہا ہے۔ کشمیر کی غلامی اور وہاں کے بسنے والوں کی بے بسی ان کے جی کا وہ روگ ہے جسے تمام عمر وہ رہا نہ ہو پائے چنانچہ جب بھی ان کی شاعری میں کشمیر کا ذکر آتا ہے۔ قلم سے لہو ٹپکنے لگتا ہے اور دکھ کی عمیق لہر سطر در سطر دوڑتی چلی جاتی ہے۔"(۲)

کشمیر کے معاملے میں بھارتی فوج کے مظالم پر ان کا ردِ عمل شدید تھا۔ وہ تحریکِ حریت میں شامل مجاہدین کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ کشمیر کے معاملے میں ان کا جذبہ عقیدت کی آخری حدوں کو چھوتا ہے۔ وہ اپنے تخیل کی آنکھ کشمیر کو بھارتی مظالم سے آزادی دلانے کے خواہاں ہے۔ ان کی نظم "صبح آزادی" ان ہی جذبوں کی عکاس ہے۔

اشرف انصاری بیان کرتے ہیں۔

"صرف ان نوجوان دانشوروں میں شامل تھے جو وادی کشمیر سے اجڑ کر راولپنڈی آئے تھے اور تحریکِ آزادی کشمیر میں قلم کے ذریعے اپنے جوہر دکھا رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو قدم قدم پر بوجوہ مایوس ہو گئے اور ریاست نے ان کی شخصیت کو بڑی حد تک گہنا دیا۔ وہ انیس سو اکہتر کے سانحۂ مشرقی پاکستان سے بھی رنجیدۂ خاطر ہوئے۔ ان کے کلام میں یاس و غم کا یہی پس منظر تھا۔"(۷)

بھارتی درندوں کے ظلم و ستم اور کشمیری مسلمانوں کی روح حریت کو دبانے کی کوشش کے باوجود مسلمانوں کا جذبہ سرد نہ ہو سکا۔

وہ رات ٹوٹی وطن پہ اپنے، بتاؤ اس کی سحر کہاں ہے

اپنی نظم "صبح آزادی" میں صبحِ نو کی نوید ہے۔ ظلم ختم ہونے کو ہے۔ اب زنداں کی کڑیاں ٹوٹنے کو ہیں، سیاہ رات کے بعد صبح کا ظہور ضرور ہوتا ہے گو کشمیر کی آزادی کے لیے پر امید ہیں۔

اب خون کی خوشبو بولے گی
اب ظلم کی کشتی ڈھولے گی
جذبوں سے بہاریں پھوٹیں گی
لو ظلم کا قانون گیا
ابلیس کا ہر مضمون گیا
نمرود گیا ۔ ۔ قارون گیا

(صبح آزادی، ص ۲۸۴)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

بشیر صرفی کے نزدیک کشمیر جنت نظر کے لیے شہدا کی شہادتیں ان کے ماتھے کا سنہری جھومر ہیں۔ اپنے پیاروں کو وطنِ عزیز کی خاطر جان دینا پسماندگان کے لیے باعثِ تکلیف نہیں بلکہ سرمایۂ افتخار ہے۔ کشمیری شہید کی موت ابدیت کی علمبردار ہے۔

یوں ہر شام کوئی جانِ بہاراں آیا
موت کی مستی میں سرشارو خراماں آیا
لکھ گیا خون سے تحریرِ حیات ابدی
پردہ مرگ میں وہ تارِ رگ جاں آیا

(ص۲۴۳)

بشیر صرفی کے ہاں، سیاسی، سیاہ رات، غلامی اور سناٹوں جیسے لفظوں کی تہہ میں کشمیر پر بربریت اور ظلم کا عکس ڈھونڈا جاسکتا ہے۔
ڈاکٹر شفیق انجم لکھتے ہیں۔

"ان کی نظموں میں کشمیری مجاہدین کے ولولوں، قربانیوں اور شہادتوں کے تسلسل کو بڑی مہارت سے بیان کیا گیا ہے۔۔۔۔ ساتھ ہی اس نفرت کا اظہار بھی ان کی نظموں میں خوب ہوا ہے جو بھارتی فوجوں کے ظلم و ستم سے وابستہ ہے۔"(۸)

نظم "اشفاق وانی شہید" میں بشیر صرفی نے ان کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور ان کو یقین دلایا ہے کہ ایک دن ان کا لہو رنگ لائے گا اور صحنِ چمن میں بہار ضرور آئے گی۔

بشیر صرفی نے جدوجہد آزادی کشمیر کے حوالے سے لیڈروں نشانۂ طنز بنایا ہے۔ "کشمیری لیڈر اور تحریکِ آزادی" نظم میں انھوں نے زہرناکی سے جھوٹے لیڈروں کو بے نقاب کیا۔

ہر اک معانی سے خالی خالی
یہ سارے جوہر خطابتوں کے تمام مفہوم سے تہی ہیں
یہ جوشِ تقریر بے اثر ہے یہ سرد لفظوں کی اک جگالی
ہر اک معانی سے خالی خالی
جناب عالی!

(ص۲۵۲)

امید زندگی گزارنے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔ کشمیری مسلمان کئی سالوں سے بھارتی درندوں کے مظالم کا سامنا اسی امید کے بل بوتے پر کر رہے ہیں۔ بشیر صرفی کے ہاں بھی یہ امید اور یقین آزادی کا عزم نظر آتا ہے۔

مرے کشمیر کو اب بالیقین آزاد ہونا ہے
سکون نا آشنا وادی کو پھر سے شاد ہونا ہے
زمانہ اس کی خوشبو سے مہک جائے گا وانی
شہیدوں کے لہو سے اک چمن ایجاد ہونا ہے

(لقمۂ آزادی، ص۲۵۵)

مسلمان تادیر غلامی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ کشمیریوں کا جذبۂ آزادی بھارتی غاصبوں کو اس سرزمین پر اپنا تسلط قائم رکھنے نہیں دے گا۔ بھارت کی سفاکانہ سرگرمیوں کے خلاف بشیر صرفی اپنے جذبات کا اظہار اپنی نظم "کشمیری مجاہدوں کا ایک کامیاب مشن" میں یوں کرتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

اب عہد جبر و وفا کا انجام آن پہنچا
تمام صورت گرانِ نقش کا ہر نقش بے اثر ہے
کہ اب بصارت سے چشم دشمن بہت ہی محروم ہوگئی ہے
کہ قطرہ قطرہ اندھیروں کے موسم بر شگال کے بعد
بردنِ در بھی ۔۔ ۔ دورنِ خانہ بھی
روشنی سی بکھر گئی ہے

(ص۲۵۴)

نوجوان کسی قوم کا سرمایہ افتخار ہوتے ہیں۔بشیر صرفی اپنی سرزمین کے مجاہدوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

میرے کشمیر کے سارے کڑیل جواں
آسماں کی صدائے دمادم کے زندہ نشاں

یہ جوان موت کے خوف سے آزاد ہوتے ہیں
موت کی تال پر زندگی رقص میں
اور یہ سرشاریاں
ارض کشمیر ۔ ۔ ۔ ارض کشمیر کے ان جیالوں کی خیر
ان کے خون سے بکھرتی ہوئی صبح کے اجالوں کی خیر

(کشمیری مجاہدین، ص۲۴۴)

بشیر صرفی اپنے شہدا کی قربانیوں پر نازاں ہیں لیکن لیڈروں کے رویوں سے سخت نالاں نظر آتے ہیں۔

وہ اور ہیں جو لہو سے اپنی مٹی اجالتے ہیں
اگرچہ سفاک ہیں ستم گر، مگر ہے عزم ان کو کوہ پیکر
یہی نگاہِ دل نگاراں پر عزم ان کا کراں کراں ہے
اس آب و گل کے جہاں سے گزرے حیات ابدی انھوں نے پالی

بشیر صرفی کو اپنی مٹی سے بہت محبت ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ کوئی ان کی دھرتی سے دغا کرے۔

بشیر صرفی کے کلام کے جائزے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان کے کلام کا ایک بڑا موضوع مزاحمت ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ان علامات کا استعمال ملتا ہے۔جو مزاحمتی ادب کی خاص پہچان ہے۔یعنی وہ مخصوص لفظیات جو دیگر شعراء کے کلام کا خاصا بھی رہی ہیں۔بشیر صرفی کے ہاں مزاحمتی عناصر میں ذاتی دردو کرب کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے حالات وواقعات، ملکی مجموعی صورتِ حال، ہجرت، فسادات سیاسی ابتری، نئی سرزمین پاکستان سے وابستہ خوابوں کا ٹوٹنا، مارشل لاء، ۱۹۶۵ء کی جنگ، ۱۹۷۱ء کا سانحہ، سقوطِ ڈھاکہ، سیاسی بے ستمی، معاشی تفاوت، معاشرتی وسماجی بے حسی، بین الاقوامی سطح پر پیدا ہونے والے حالات سے انسان کی بے وقعتی، خود غرضی پھر کشمیر پر غاصبانہ قبضہ، کشمیری مسلمانوں پر جبر، بربریت کی داستان اور ذاتی کرب یہ تمام عناصر بشیر صرفی کی شاعری میں مزاحمت کو جنم دینے کا باعث

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

بنے۔ ملکی تاریخ میں رونما ہونے والے ہر واقعے اور سانحے پر بشیر صرفی نے اظہارِ خیال پر اپنا فرض سمجھا اور انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے اس فرض کو احسن طریقے سے نبھایا۔

حوالہ جات

بنیادی ماخذ

1۔ شفیق انجم، ڈاکٹر (مرتب) کلام بشیر صرفی، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء

1.https://www.google.com/amp/s/, www.aikrozan.com

۲۔ رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب، رویے اور رجحانات، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۳۷

۳۔ ابرار احمد، ڈاکٹر، مقدمہ، مزاحمتی ادب، مرتب، رشید امجد، ڈاکٹر، اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۵ء، ص ۴۸

۴۔ ایضاً، ص ۴۹

۵۔ رشید امجد، ڈاکٹر، تمنا بے تاب، حرف اکادمی، راولپنڈی، ۲۰۰۳ء، ص ۶۹

۶۔ صلاح الدین درویش سے راقمہ کی گفتگو، بمقام نمل، اسلام آباد، بتاریخ ۱۲ فروری ۲۰۱۹ء، بوقت ۰۰۔۱۱ صبح

۷۔ اشرف انصاری سے راقمہ کی گفتگو، بمقام نمل، اسلام آباد، بتاریخ ۲۰ فروری ۲۰۱۹ء، بوقت ۰۰۔۱۱ صبح

۸۔ شفیق انجم، ڈاکٹر، مقدمہ کلام بشیر صرفی، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۲۳